دعوتی تاریخ کی تدوین

ایک مطالبہ کئی پہلو

تحریر: حافظ عبدالحسیب عمری مدنی حفظہ اللہ

تقریظات:
فضیلۃ الشیخ طہ سعید خالد عمری مدنی حفظہ اللہ
ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی رحمہ اللہ

ناشر: مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند

دعوتی تاریخ کی تدوین

ایک مطالبہ، کئی پہلو

تحریر

حافظ عبد الحسیب عمری مدنی

تقریظ

شیخ طہ سعید خالد عمری مدنی حفظہ اللہ

ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی رحمہ اللہ

DAR-UL-HUDA
UDUPI

مرکز دار الہدی، اڈپی

©جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : دعوتی تاریخ کی تدوین: ایک مطالبہ، کئی پہلو
مؤلف : حافظ عبدالحسیب عمری مدنی
تقریظ : شیخ طہ سعید خالد عمری مدنی حفظہ اللہ، ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی رحمہ اللہ
صفحات : 40
ایڈیشن : دوم 2021ء
تعداد : 2000
ناشر : مرکز دارالہدی، اڈپی، کرناٹک (انڈیا)
Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Web: www.darulhudaudupi.org

ملنے کا پتہ

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST®
#1, First Floor, Himalay Pearl, Udupi - Manipal Road
Kadiyali, Udupi, Karnataka - India, Pin: 576102
Cell: +91 9945565905

فہرست

عناوین	صفحہ نمبر
* تقریظ	4
* تقریظ	6
* تمہید	9
* دعوتی تاریخ کی تدوین کے مطالبہ کی حقیقت کیا ہے؟	11
* کیا ''دعوتی تاریخ'' مدون نہیں ہے؟	14
- تاریخ کے عظیم ذخیرے میں ''دعوتی تاریخ'' بھی ہے	14
- تاریخ میں مسلمانوں کا دعوتی کردار کہاں ہے؟	15
- مسلم حکومتوں اور حکمرانوں کا دعوتی کردار کیا ہے؟	17
- دعوتی تاریخ کیسے مدون ہوسکتی ہے؟ (تقریبی خاکے)	17
* دعوتی تاریخ کی تدوین کے مطالبہ سے متعلق بعض منفی پہلو	22
- پہلا منفی پہلو	22
- دوسرا منفی پہلو	23
- تیسرا منفی پہلو	25
- چوتھا منفی پہلو	27
- پانچواں منفی پہلو	35
* خلاصہ	39

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از: شیخ طہ سعید خالد عمری مدنی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ رسوله الأمين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ،أما بعد:

زیر نظر کتابچہ ''دعوتی تاریخ کی تدوین: ایک مطالبہ کئی پہلو'' عزیز محترم فضیلۃ الشیخ عبدالحسیب عمری مدنی کی تالیف ہے، جس میں انھوں نے بعض مخصوص حلقوں کی جانب سے ''دعوتی تاریخ'' کی تدوین کے مطالبہ کا جائزہ لیا ہے۔ اور اس مطالبہ کے پس پردہ پوشیدہ منفی سوچ اور خطرناک فکر سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بظاہر اس مطالبہ میں کوئی قباحت نہیں ہے، کیوں کہ علوم وفنون کا ہر شعبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر دور میں اس کے تقاضوں کے مطابق ہر علم وفن کی تاریخ مدوّن ہو مگر ''دعوتی تاریخ'' کی تدوین کا مطالبہ جس ذہنیت کے ساتھ اٹھایا جارہا ہے وہ انتہائی خطرناک ہے، جو افرادِ امت کو اپنے اسلاف سے نہ صرف بدگمان کرتی ہے بلکہ مفسرین، محدثین، فقہاء اور مؤرخین کی تمام خدمات پر پانی پھیرتے ہوئے ''دعوت'' کو اس کے وسیع مفہوم سے نکال کر ایک ایسا خود ساختہ تنگ لباس پہنا دیتی ہے جس سے میدانِ دعوت میں انھیں اپنے اور اپنی مخصوص فکر کے حاملین کے علاوہ کوئی اور ''داعی'' نظر نہیں آتا۔

اللہ رب العزت مؤلف کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس فتنہ کے سر اٹھانے سے

پہلے اس کی خطرناکی کا اندازہ لگایا اور زبان و بیان کے ساتھ قلم وقرطاس کے ذریعہ بھی اس فتنہ کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا الجزاء.

قابل غور بات یہ ہے کہ مؤلف نے اپنی اس تحریر میں نہ صرف منفی افکار کا جائزہ لیا ہے بلکہ مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھنے والوں کے لیے عملی خاکہ بھی پیش کیا ہے، اور اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے کہ ہمارے اسلاف نے جہاں دیگر علوم وفنون کی تاریخ لکھی ہے وہیں ''دعوتی تاریخ'' کو بھی سپرد قلم کیا ہے۔ مگر افسوس کہ اعتراف حقائق کے لیے جن آنکھوں کی ضرورت ہے ان سے یہ حلقے محروم ہیں۔ فإنها لاتعمى الأبصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور.

مجھے امید ہے کہ یہ کتابچہ جس جذبہ اور تڑپ کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے اسی جذبہ وتڑپ کے ساتھ ضرور پڑھا جائے گا۔ اور اپنے اختصار کے باوجود متلاشیانِ حق کے لیے ہدایت و توفیق کا ذریعہ بنے گا۔ ان شاء اللہ۔

عزیز محترم فضیلۃ الشیخ عبدالحسیب عمری مدنی حفظہ اللہ کو میں قریب سے جانتا ہوں، آپ وہی کہتے اور لکھتے ہیں جس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور موضوع کا احاطہ ہر ناحیہ سے کرتے ہوئے اپنے مخاطبین پر اتمامِ حجت کی کوشش کرتے ہیں۔ والتوفیق بید اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے عوام وخواص کے لیے مفید بنائے اور مؤلف سلمہ اللہ کو تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کے میدان میں مزید خدمات کی توفیق دے۔ وصلى الله تعالىٰ علىٰ النبي الكريم.

کتبہ

طہ سعید خالد مدنی

امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث، اڑیسہ

وناظم تعلیمات جامعہ دارالفرقان للبنات حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از: ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على النبي الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد:

غیر مسلموں میں ''دعوت اِلی اللہ'' کا کام ہمارے ملک ہندوستان میں وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس طرف خاطر خواہ توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے، کیوں کہ اس ملک میں ہماری اجتماعی ذمہ داریوں میں سے یہ ایک اہم ذمہ داری ہے۔

دوسری طرف اس بات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ کہیں ''دعوت اِلی اللہ'' کے نام پر غیر اسلامی افکار و نظریات داخل نہ ہو پائیں۔

عموماً انسان جس دائرہ میں رہتا ہے وہ صرف اسی سے واقف ہوتا ہے، اور اسی محدود دائرہ کو اپنی کل کائنات سمجھ بیٹھتا ہے۔ چونکہ اس کی آنکھیں دوسری چیزوں کو دیکھنے سے قاصر ہوتی ہیں، اس لیے اپنی لاعلمی یا کم علمی کی وجہ سے بسا اوقات دوسری چیزوں کا انکار کر بیٹھتا ہے۔ تقریباً یہی حال میدانِ دعوت میں کام کرنے والے آج کے بعض داعی حضرات کا ہے۔ ان کی نظر میں دعوت کا معنی بہت ہی محدود ہے۔ دعوت وہی ہے جو یہ لوگ سمجھتے ہیں یا کرتے ہیں، بلکہ دعوی بھی بڑی دبنگی اور ڈھٹائی کے ساتھ کرتے ہیں کہ ہمارے علاوہ دعوت کا کام کون کرتا

ہے؟ اس تنگ نظری کا لازمی نتیجہ ہے کہ ان کے کام کے علاوہ دین کے بقیہ سارے کام ان کی نظر میں چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔

جب میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھا' ایک مشہور داعی نے' جن کا دعوت وتقریر کے میدان میں بڑا اونچا نام ہے، ایک محفل میں مجھ سے پوچھا کہ عربی مدارس سے ہزاروں طلبہ ہر سال فارغ ہوتے ہیں' لیکن میدان دعوت میں کوئی نظر نہیں آتا؟ میں نے کہا: جناب! جو لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں' آخر انہیں اسلام سکھانے والے اور ساری مسلم قوم کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنے والے یہی علماء ہی تو ہیں' جن کی کاوشوں کے نتیجہ میں آج بھی اسلام الحمدللہ اس ملک میں بڑی آب وتاب کے ساتھ باقی ہے۔

دین کے تعلق سے جو بھی کام ہوگا اور جس سطح پر بھی ہوگا وہ اپنی جگہ اہم، مسلّم اور قابل ستایش ہے، خواہ وہ اپنوں کی تعلیم وتربیت سے تعلق رکھتا ہو، یا برادران وطن کو دعوت دینے سے متعلق ہو۔ چاہے اپنے محلہ کی مسجد کے منبر پر دیا جانے والا خطبہ ہو یا مختلف ٹی۔ وی۔ چینلوں اور کانفرنسوں میں پیش کی جانے والی تقاریر ہوں' یہ سارے کام اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں' اور ہر شخص پر حسب استطاعت خدمت دین کی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے اس مبارک فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کرے' اور دوسروں کے کام کو کسی صورت میں حقیر اور بے وقعت نہ سمجھے۔

اسی قسم کا ایک اور دعوی کچھ حضرات کی طرف سے یہ کیا گیا کہ اب تک امت کی تاریخِ دعوت ہی نہیں لکھی گئی! جو تاریخ لکھی گئی ہے وہ صرف سیاست وحکمرانی کی تاریخ ہے، دعوت وعزیمت کی نہیں!

چنانچہ فضیلۃ الشیخ مولانا حافظ عبدالحسیب عمری مدنی حفظہ اللہ نے اس کتابچہ میں مندرجہ

بالا موضوع پر علمی انداز میں گفتگو کی ہے اور موضوع کے مختلف گوشوں کو بڑے ہی دلکش انداز میں اجاگر کیا ہے جیسا کہ شیخ کی عادت ہے کہ آپ کی تقریر اور تحریر الحمدللہ ہمیشہ مدلل، مرتب، اور سلجھے ہوئے انداز میں ہوتی ہے جس سے عوام وخواص دونوں طبقہ بیک وقت مستفید ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کو گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے۔ مالک ومولیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کے ذریعہ دین وملت اور ملک وانسانیت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے، اور آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

کتبہ

ڈاکٹر آر. کے. نور محمد عمری مدنی

چینئ۔ انڈیا

تمہید

اسلام اور مسلمانوں کی ''دعوتی تاریخ'' کی تدوین سے متعلق یہ معروضات دراصل غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کے کام سے جڑے بعض حضرات کے درمیان پائے جانے والے افکار سے متعلق ایک تجزیاتی تحریر ہے جس کا ایک مقصود تو مذکورہ موضوع سے متعلق مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ دعوتی میدان میں آئے دن ''دعوت إلی اللہ'' ہی کے نام پر نت نئے افکار ونظریات وجود میں آتے اور پنپتے رہتے ہیں جو اہل علم کی نگرانی اور توجہ چاہتے ہیں، کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فکر کے ایک پہلو کو دیکھ کر آپ اس کی تائید کرنے لگتے ہیں تو دوسری طرف آپ کی یہ تائید کئی اہم باتوں کی تردید کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔ اس طرح ''حفظت شيئا وغابت عنك أشياء'' کے بمصداق خیر کی آڑ میں بسا اوقات شعوری یا غیر شعوری طور پر شر کی بھی ترویج ہونے لگتی ہے۔

قارئین جب اس تحریر کو پڑھ کر فارغ ہوں گے تو انہیں بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ اس کتابچہ میں ''دعوتی تاریخ'' کی ترتیب اور تہذیب کے سلسلہ میں عملی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے اور اس عنوان سے جڑے بعض اہم حقائق کی بھی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

ابتدا میں ارادہ صرف ایک مختصر تحریر لکھنے کا تھا مگر قلم اٹھایا تو تحریر نے مقالہ کی شکل اختیار کر لی۔ اور خیال یہ بھی تھا کہ جو حقائق پیش کیے گئے ہیں ان کے لیے شواہد اکٹھا کر کے انھیں ابھی ایک مفصل کتاب کی شکل نہ دی جائے کیوں کہ مقصود صرف چند اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنا

تھا، اللہ نے چاہا تو آئندہ انہی حقائق کو مزید دلائل اور حوالہ جات سے مزین کر کے ایک کتاب کی شکل دی جائے گی۔ امید ہے کہ یہ مختصر تحریر اپنے مقصود کو واضح کرنے میں کافی ہوگی۔

حافظ عبدالحسیب عمری مدنی

۲۴ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ

دعوتی تاریخ کی تدوین کے مطالبہ کی حقیقت کیا ہے؟

موجودہ دور میں ہندوستان میں جس موضوع نے حالات کے تقاضوں کی روشنی میں عوام وخواص کے درمیان سب سے زیادہ توجہ پائی ہے وہ ہے غیر مسلموں میں فریضہ ''دعوت اِلی اللہ''۔عصر حاضر میں ملک کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان فکر ونظر کے باہمی اختلاف کے باوجود غیر مسلموں میں اسلام کی نشر واشاعت کا مسئلہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔سبھی کا احساس ہے کہ یہ کام ترجیحی بنیادوں پر کیا جانا چاہیے۔

سماجی یا علمی حلقوں میں جب کسی موضوع کو اس قدر اہمیت اور توجہ حاصل ہوجاتی ہے تو پھر یہ فطری بات ہے کہ موضوع کی بنیاد سے لے کر اطراف وجوانب سب پر بات ہوتی ہے، موضوع کے مختلف پہلو اجاگر کیے جاتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق دبی چھپی بہت ساری باتیں باہر نکل کر آجاتی ہیں۔بالکل اسی طرح غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کا موضوع بھی اہل علم کے درمیان بکثرت زیر بحث رہتا ہے جس کے نتیجہ میں آج یہ موضوع دیگر کئی موضوعات کا سرا بن گیا ہے جس کو پکڑے ہوئے آپ آگے بڑھتے جائیں تو یکے بعد دیگرے موضوعات کا تسلسل آپ کے ہاتھ لگتا چلا جائے گا جو لامتناہی نہ سہی دراز سے دراز تر ہوتا جاتا ہے، ان موضوعات کی ابتدا خود ''دعوت اِلی اللہ'' کے مفہوم سے ہوتی ہے تو اس کا تسلسل دعوت کی حقیقت اور اس کے تقاضے، داعی، مدعو، مختلف ادیان، ان کے عقائد، ان کی تاریخ، وسائل دعوت اور عصر حاضر میں میسر امکانات اور درپیش چیلنجز تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔اس تناظر میں بہت سارے مثبت ومنفی خیالات اور تصورات، نظریات بھی جنم لیتے رہتے ہیں جن پر کم وبیش

ہر مکتب فکر کی جانب سے بہت کچھ لکھا اور بولا جاتا ہے، اور عملاً ایسا ہو بھی رہا ہے۔

ماضی قریب میں غیر مسلموں میں ''دعوت اِلی اللہ'' سے جڑے بعض حلقوں کی طرف سے جو چند دعوے بڑے زور وشور کے ساتھ کیے گئے ان میں سے ایک دعوی یہ ہے کہ **اسلام اور مسلمانوں کی سیاسی تاریخ تو مدون ہوئی لیکن ان کی ''دعوتی تاریخ'' لکھی جانی ابھی باقی ہے**۔ یہ مسلم تاریخ سے متعلق ایک خاص نظریہ ہے جس کے مطابق اسلامی تاریخ اسلام کی کم، حکمرانوں کی تاریخ زیادہ ہے۔ بالخصوص ''دعوتی تاریخ'' سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ امت کی ''دعوتی تاریخ'' کا لکھا جانا ابھی باقی ہے۔

یہ دعوی بظاہر بہت سارے حضرات کو کھوکھلا اور سطحی لگے گا تو کئی ایک کو بہت ہی وزن دار بھی محسوس ہوگا۔ نقطۂ نظر کے اس تفاوت کے پیچھے بنیادی وجہ خود اس دعوی کے اندر پایا جانے والا ابہام یا غموض ہے۔ یہ دعوی دراصل کئی پہلو رکھتا ہے۔ جہاں ایک پہلو پر آپ کی نظر ہوگی اور آپ اس کی تائید کریں گے وہیں دوسرے پہلو کی طرف آپ کی نظر جائے گی تو آپ خود اس کی تردید کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، لہٰذا تائید یا تردید سے قبل اس دعوی کی گہرائی تک جانا ضروری ہے۔

ہم اگر اس دعوی یا مطالبہ کو مختصراً سمجھنا چاہیں تو اس کا مقصود ومدّعا یہ ہے کہ جس طرح تاریخ کی کتابوں میں زمانی تسلسل کے ساتھ ہر حکمران کے عہد حکومت میں فتوحات اور فوجی مہمات، اہم اہم واقعات وحادثات، وغیرہ کا تذکرہ بالتفصیل کیا جاتا ہے' جیسے: خلافت راشدہ' خلافت بنوامیہ، خلافت عباسیہ، درمیان میں طوائف الملوکی اور ممالیک کی حکومت وغیرہ سے ہوتے ہوئے بالآخر خلافت عثمانیہ تک کی تاریخ لکھی گئی ہے، اس کے علاوہ ہر ملک کی سطح پر الگ الگ حکمران خاندانوں کے مفصل حالات لکھے گئے ہیں، مثلا: ہندوستان کے اندر غوری، خلجی، تغلق، لودھی، مغل، سوری خاندان اور ان کے علاوہ مختلف نوابوں، نیز دہلی کے

علاوہ ملک کے دیگر علاقوں کے حکمران خاندان اور ان کے عہدِ حکومت کے اہم واقعات وحادثات کی مفصل تاریخ لکھی گئی ہے اور متعدد مصنّفین نے مختلف زبانوں میں لکھی ہے، بالکل اسی طرز پر مفصل ''دعوتی تاریخ'' لکھی جائے کیوں کہ جس میں ہر خطہ میں ''دعوت اِلی اللہ'' کی ابتدا وہاں کے مشہور دعاۃ اور ان کے کارنامے -فوجی جرنیل و کمانڈروں کے کارناموں کی طرح- درج ہوں اور اس بات کی وضاحت بھی ہو کہ کس جگہ کس طرز پر کام کیا گیا، کن مسائل نے کس سماج کو متاثر کیا' کہاں کہاں کیا کیا مشکلات پیش آئیں؟ اور ان کا حل کس کی طرف سے کیا نکالا گیا؟؟ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ موضوعِ دعوت سے جڑے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہونا چاہیے جو کہ اب تک نہیں ہوا ہے۔ یہ دعویٰ خود ان حضرات کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''ہماری تاریخ جنگجویانہ ذہن سے لکھی گئی ہے، داعیانہ ذہن سے نہیں۔''

کیا ''دعوتی تاریخ'' مدون نہیں ہے؟

یہ دعوی حقیقت سے کس قدر قریب ہے یہ طے کرنا آپ اصحاب شعور کا کام ہے، اور آپ کی غائرانہ نظر پر موقوف ہے کہ آپ اس میں کس حد تک سچائی پاتے ہیں اور کس حد تک غلط فہمی۔ البتہ مجھے اس دعوی سے متعلق چند باتیں واضح کرنی ہیں اور اس دعوی سے جڑے چند حقائق پر سے پردہ اٹھانا ہے جن کی روشنی میں آئندہ اس موضوع اور دعوی سے متعلق کوئی بھی مفصل گفتگو کی جاسکتی ہے یا حسب ضرورت آئندہ کام کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ کے عظیم ذخیرے میں ''دعوتی تاریخ'' بھی ہے:

سب سے پہلے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ تاریخ صرف تاریخ ہوتی ہے، اسے کسی مخصوص ذہن سے لکھنے کا مطالبہ فی نفسہ تاریخ لکھنا نہیں ہے۔ مؤرخ واقعات کا راوی ہوتا ہے۔ وہ وہی لکھتا ہے جو وہ دیکھتا ہے اور یہی اس کی ذمہ داری بھی ہے۔ تاریخ میں ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں، ہر موضوع سے متعلق مواد اس میں ہوتا ہے، بلکہ اس میں رطب و یابس سب اکٹھا ہوتے ہیں۔ تاریخ ایک ایسا خام مال ہے جسے موم کی طرح کسی بھی سانچے میں ڈھال کر آپ اپنا مطلوبہ بت تراش سکتے ہیں۔ ماضی میں اسی تاریخ کے مختلف حوالہ جات کے سہارے مستشرقین نے اسلام اور مسلمانوں پر رکیک سے رکیک تو کبھی شدید سے شدید تر حملے کیے تو دوسری طرف اسی تاریخ کی مدد سے اہل علم نے ان مستشرقین کو دنداں شکن جواب بھی دیے۔ تاریخ اپنے اندر سب کچھ رکھتی ہے۔ بس اسے سلیقہ سے پڑھنے اور قرینہ سے سمجھنے والوں کی

ضرورت ہے۔ ایک ماہر غواص کی طرح اگر تاریخ کا کوئی طالب علم دعوتی ذوق کا حامل ہو اور تاریخ کا مطالعہ کرے تو وہ اس گہرے سمندر سے ''دعوتی تاریخ'' کے موتی ضرور نکال لاسکتا ہے۔ اس کے لیے الگ سے کسی تاریخ کے لکھے جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

تاریخ میں مسلمانوں کا دعوتی کردار کہاں ہے؟

ہماری تاریخ میں بلاشبہ ایک بڑا حصہ ایسا ہے جو مختلف حکمرانوں کے دور میں انجام پائی دعوتی سرگرمیوں کا کم یا زیادہ تذکرہ کرتا ہے۔ حکمرانوں کے ملفوظات وفرمودات اور ان کی فتوحات کے سلسلے میں ان کے عزائم اور مقاصد، ان کے دور میں قائم ادارے، بالخصوص دین دار یا دین پسند حکمرانوں کے دور میں اہل علم کے لیے فراہم کی گئی سہولیات اور دین وعلم کی نشر واشاعت کے لیے کھولے گئے دروازے اور ان اہل علم کی جانب سے انجام پائی سرگرمیاں اور سماج پر ان تمام باتوں کے اثرات اور عدل وانصاف کے پیکر مسلم حکمرانوں کے عدل وانصاف اور شریعت اسلامیہ کے کلی یا جزوی نفاذ کی برکت سے متاثر ہونے والے غیر مسلم افراد، قبائل اور علاقوں کے تذکرے، ساتھ ہی مسلمانوں کے حسنِ معاملہ اور کردار کی عظمت کی معاشرتی تاثیر وغیرہ ایسے بہت سارے پہلو ہیں جن کی روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے سرسری مطالعہ سے بھی ''دعوتی تاریخ'' کے درخشاں پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ تاریخ میں ایسا بہت کچھ ہے جو تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کی جھولی میں پکے پھل کی طرح خود بخود آ گرتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ایک صحیح نقطۂ نظر کے ساتھ اس عظیم تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔

مسلم حکومتوں اور حکمرانوں کا دعوتی کردار کیا ہے؟

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ''لا إكراه في الدين'' کے مطابق مسلم حکمرانوں نے

اسلام کی نشر واشاعت تلوار کے زور پر کبھی نہیں کی۔ پھر ایسی صورت میں دعوت کے جو ذرائع ممکن تھے وہ یہی کہ سب سے پہلے مسلم عوام اور رعایا اسلامی تعلیمات کا پیکر بن کر زندگی کے شب وروز گزاریں۔ بالخصوص ان کے معاملات اور معمولات اسلامی تعلیمات کے آئینہ دار ہوں۔ علماء کا طبقہ سماج کے مسلم وغیر مسلم عوام کے سامنے اسلام کے تعارف اور اس کے پیغام کی صحیح ترجمانی کرتا رہے اور حکمران اسلام کی تعلیم عدل وانصاف کو قائم رکھیں اور شرعی احکام کے نفاذ کے ذریعہ مسلم سماج کو ایک مثالی سماج بنائیں۔ اس طرح یہ سب باہم مل کر ''وقال إنني من المسلمين'' کے مطابق ''دعوت إلی اللہ'' کا عملی نمونہ پیش کریں۔

تاریخ اسلام میں مسلمانوں نے اس طرز پر تبلیغ اسلام کا کام کم وبیش ہر دور اور ہر ملک میں اور ہر جگہ انجام دیا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر تاریخ پڑھ کر دیکھیں تو پوری کی پوری تاریخ دعوتی نہیں تو اور کیا نظر آئے گی؟؟؟

تاریخ اسلام کے مجاہدین اور حکمرانوں کی فتوحات کے اہداف ومقاصد جو مستند تاریخی حوالوں میں ملتے ہیں، جن میں ان مجاہدین اور حکمرانوں کے ملفوظات بھی ہیں، ان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے کھلے الفاظ میں اپنے جہاد کا مقصد اللہ کے دین کو بندوں تک پہونچانا قرار دیا ہے، جن کی طویل فہرست کی ترجمانی رستم کے دربار میں ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله، ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام، فأرسلنا بدينه لندعوهم إليه.

اللہ تعالی نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے تاکہ وہ جس کو چاہے اس کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف، دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف، اور مختلف ادیان کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف ہم لے جائیں۔ اللہ نے ہمیں اپنا دین دے کر

بھیجا ہے تا کہ ہم لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں۔ (البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر: ۷: ۴۷)

یہ یا اس جیسے بے شمار مجاہدین کے اقوال تاریخ کی کتابوں میں مل جائیں گے جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ مسلم حکمرانوں کی فتوحات کے پیچھے ایک عظیم مقصد دعوت اسلام کو ہر فرد بشر تک پہونچانا بھی رہا ہے۔

دعوتی تاریخ کیسے مدون ہوسکتی ہے؟ (تقریبی خاکے)

مذکورہ بالا حقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی ''دعوتی تاریخ'' کو مرتب کرنے کی اس دعوت کو ہم اگر ایک اور زاویے سے دیکھیں تو یہ مطالبہ معقول بھی نظر آتا ہے اور قابل عمل بھی اور وہ زاویۂ نظر یہ ہے کہ یہ دور تخصصات کا ہے۔ ہر فن میں اتنی فروعات اور شقیں نکال کر دادِ تحقیق دی جاتی ہے کہ وہی موضوع جو کل تک پامال سمجھا جاتا تھا آج وہ اپنی نئی شقوں کی روشنی میں اچھوتا نظر آنے لگتا ہے۔ ہر فن کی جزئیات پر اس قدر تحقیق ہونے لگی ہے کہ کل تک جو ایک فن تھا آج اس کی شقوں نے مستقل الگ الگ فن کی شکل اختیار کر لی ہے اور یہ معاملہ تاریخ، فسلفہ، ادیان و مذاہب اور شخصیات وغیرہ تمام ہی میدانوں سے متعلق نظر آتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں پیش کیے جانے والے پی ایچ۔ ڈی۔ کے مقالات اور تھیسس کی صرف فہرست کا سرسری جائزہ بھی اس بات کی تائید کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا اس تناظر میں یہ دعوی دراصل ایک مطالبہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی ''دعوتی تاریخ'' پر تسلسل کے ساتھ ریسرچ ہو اور اس تحقیق کے نتیجہ میں تاریخِ دعوت سے متعلق ایک مفصل کتاب یا کتابی سلسلہ امت کے سامنے پیش کیا جائے، کیوں کہ یہ دور ''دعوت اِلی اللہ'' کے لیے انتہائی سازگار دور ہے۔ ایسی کسی بھی تحقیق کی روشنی میں تاریخ کا حقیقی فائدہ امت کو دعوتی میدان میں ملے گا اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم ماضی سے سبق لے کر حال میں صحیح رخ پر محنت کریں، تا کہ صحیح انداز سے

مستقبل کی تعمیر ہو سکے۔ تاریخ اکثر خود کو دہراتی ہے۔ لہٰذا تاریخ کے سبق اور ماضی کے تجربات یاد رکھے جائیں۔ اور اگر صورت حال نئی ہو تو پرانے تجربات کی روشنی میں نئی پالیسی اور حکمت عملی ترتیب دی جائے۔

اگر ہم مذکورہ بالا پس منظر میں ''دعوتی تاریخ'' کو مرتب کرنا چاہیں- جو نئے دور کے ایک تقاضے اور جدت کے طور پر ہو- تو پھر اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ممکن ہے کہ سب سے پہلے تاریخی تسلسل کے ساتھ مختلف ادوار پر مشتمل ایک بنیادی ڈھانچہ تیار کر لیا جائے، چاہے آپ اس ڈھانچے کو حکمران خاندانوں کی بنیاد پر ترتیب دیں، یا مختلف جغرافیائی علاقوں یا مختلف صدیوں پر۔ یہ کام تاریخی مراجع ومصادر کی روشنی میں بآسانی انجام پا سکتا ہے۔ پھر دوسرے مرحلہ میں تراجم یعنی شخصیات کے تعارف پر لکھی گئی ہر دور کے اہل علم اور ان کے کارناموں سے متعلق کتابوں، سوانحی خاکوں وغیرہ کی مدد سے اس خاکہ یا ڈھانچہ میں رنگ بھرا جا سکتا ہے۔ چاہے وہ کتابیں بیک وقت متعدد شخصیات کے تذکروں پر مشتمل ہوں یا وہ جو کسی مخصوص شخصیت سے متعلق مفصل لکھی گئی سوانح حیات پر مشتمل ہو۔

آج اگر کوئی شخص اس مخصوص داعیانہ ذہن کے ساتھ تاریخ لکھنا چاہے تو تاریخ کی عام کتابوں کے ساتھ ہر عہد سے متعلق سیرت وسوانح کی کتابوں کو جمع کر لے اور پھر تسلسل سے لکھتا چلا جائے، جلد یا بدیر دعوتی تاریخ پر مبنی بڑی ہی ضخیم کتاب لکھ سکتا ہے۔ سیرت وسوانح کی کتابیں چاہے امام ذہبی کی ''تاريخ الإسلام'' یا ''سير أعلام النبلاء'' ہو یا اردو میں علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی ''تاریخ دعوت وعزیمت'' جیسی عام کتابیں ہوں، یا ہر دور کے اعلام اور شخصیات سے متعلق لکھی گئی خاص کتابیں، سب کی سب تاریخ کی عام کتابوں کی مدد سے بننے والے اس ڈھانچہ کو ایک مکمل عمارت یا ایک مکمل تاریخی دستاویز کی شکل میں ڈھالنے

میں معاون ثابت ہوں گی۔

اس سلسلہ میں یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ اس طرز پر کام کافی پہلے سے جاری وساری ہے۔ ہاں شاید مطلوبہ شکل سے ابھی کافی دور ہے۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کی سب سے مشہور تصنیف ڈاکٹر محی الدین آلوائی -رحمہ اللہ- کی ''الدعوة الإسلامية وتطورها في شبه القارة الهندية'' ہے جو آج سے تقریباً پچاس سال قبل (۱۳۹۱ھ یعنی ۱۹۷۱ء میں) مصر کے جامعہ ازہر میں پیش کیا گیا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ اسی طرز پر عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹیوں، جیسے: جامعۃ الامام محمد بن سعود اور جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے کلیۃ الدعوۃ وغیرہ میں اس قسم کے موضوعات پر یکے بعد دیگرے پی ایچ ڈی کے مقالوں کا سلسلہ جاری ہے جس میں ریسرچ اسکالرز اکثر اپنے اپنے علاقہ سے متعلق تاریخ کو مرتب کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں بالخصوص اسلامک یونیورسٹیوں میں لکھے گئے ایم اے یا پی ایچ ڈی کے رسائل، مقالات یا تھیسس کی فہرست کا جائزہ لیں تو اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس طرز پر کام ہو رہا ہے۔ بطور نمونہ سعودی عرب کی بعض یونیورسٹیوں کے یہ چند رسائل ملاحظہ فرمائیں جو دنیا کے مختلف خطوں اور ممالک سے متعلق ہیں:

(۱) الدعوة الإسلامية في اليابان (Japan) (ماضيها، حاضرها ومستقبلها) ۔ دكتور حذيفة عبود مهدي السامرائي.

(۲) قيام دولة المرابطين ودورها في نشر الإسلام في السودان الغربي (Western Sudan)۔ صلاح آدم عيسى محمد.

(۳) دور المنظمات الدينية في تشكيل صورة الإسلام في الولايات المتحدة الأمريكية (USA) في القرن التاسع عشر: مقارنة تاريخية، زكريا صادق الرفاعي.

(۴) وسائل وأساليب دعوة الأقليات المسلمة: دراسة وصفية تحليلية تطبيقاً على المسلمين بدولة فنلندا (Finland)، فريد علي جاسم نجم العبيدي.

(۵) آثـار الاحتلال الفرنسي على الثقافة الإسلامية في النيجر (The Republic of Niger) ودور الدعوة الإسلامية في مواجهة آثاره ـ حامد أنوسا.

(۶) أثر المستشرق الهولندي كريستان سنوك على مسار الدعوة الإسلامية في إندونيسيا (Indonesia): دراسة تحليلية نقدية، اثنين لا حارثي.

(۷) الدعوة الإسلامية المعاصرة في استراليا (Australia) واقعها ومعوقاتها وسبل علاجها: دراسة وصفية تحليلية، عبدالله أحمد.

اسی طرز پر درج ذیل ممالک میں سے ہر ایک ملک سے متعلق بھی الگ الگ رسائل ہیں: افریقہ (Africa)، جزیرۃ موریشس (Mauritius)، المغرب (Moroco)، یوکرین (Ukraine)، بیلجیم (Belgium)، بورکینا فاسو (Burkina faso)، جمہوریۃ الجابون (Gabon)، روس (Russia)، کینیا (Kenya)، مالی (Mali)، موریتانیا (Mauritania)، نیجیریا (Nigeria)، سنگاپور (Singapore)۔

واضح رہے کہ ''دعوت إلی اللہ'' کے مختلف پہلوؤں سے قطع نظر صرف تاریخِ دعوت سے متعلق یہ فہرست بطور نمونہ پیش کی گئی ہے۔ ان میں سے اکثر رسائل یا تھیسس جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں پیش کیے گئے ہیں، اور یہ بھی واضح رہے کہ ان میں سے ہر ایک ریسرچ اسکالر

اس کا مکلف ہوتا ہے کہ وہ اپنی ریسرچ کے ابتدائی حصہ میں اپنے ملک یا علاقہ میں اسلام کے داخلہ کی تاریخ اور اس سے متعلق مختلف پہلوؤں کو تاریخی حوالوں سے بیان کرے۔

آج اگر کوئی شخص صرف ان رسائل کو اکٹھا کر لے اور اسی طرز پر دوسری یونیورسٹیوں میں جاری کام کو یکجا کر لے تو ہر ملک سے متعلق مفصل ''دعوتی تاریخ'' خود بخود مدون ہو جائے گی، یہ اکیڈمک سطح کا ایک کام ہے، جس کو ایک تو محض پی ایچ ڈی کے حصول کے مقصد سے اوپر لے جا کر ایک اعلی دعوتی مقصد کو پیش نظر رکھ کر کیا جانا چاہئے، جس کا بنیادی مقصد مذکورہ بالا خلا کو پر کرنا ہو۔

دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف یونیورسٹیوں میں ہو رہے اس ریسرچ ورک کو باہم جوڑ کر کچھ اس طرح کام کی تقسیم ہو جائے کہ ہر آنے والا ریسرچ اسکالر اس مشروع اور پروجیکٹ کو چند قدم آگے لے جائے اور پھر وہ وقت بھی آئے کہ ''دعوتی تاریخ'' کے لکھے جانے کا مطالبہ کرنے والے لوگ اقرار کر لیں کہ: تاریخ اسلام کے تمام ادوار اور پورے اسلامی خطہ سے متعلق ''دعوتی تاریخ'' مدون کر لی گئی ہے۔ آج جس قدر پی ایچ ڈی کے تھیسس یا رسالے لکھے جا رہے ہیں ان کی روشنی میں یہ کام صرف چند سالوں کی محنت کا متقاضی ہے۔

یہی کام یوں بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ نسبتاً آسان ہے کہ کوئی دیوانہ اٹھے اور اپنے سر میں یہ سودا سمالے کہ یہ کام اللہ پر توکل کے بعد خود اپنے بل بوتے پر میں تن تنہا کر کے رہوں گا' اور پھر سابق الذکر حوالوں سے معلومات کو یکجا کرنا شروع کر دے اور باقی ماندہ علاقوں سے متعلق کام پر ذاتی طور پر محنت کرے تو جلد یا بدیر خود وہ یا اس کے بعد اس کے نقش قدم پر چلنے والا کوئی اور شخص اس کام کو انجام تک پہونچا سکتا ہے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسا بارہا ہوا کہ جو کام ایک ادارہ کے کرنے کا تھا شوق اور لگن نے وہ کام ایک شخص ہی سے کروالیا۔ وما ذلك على الله بعزيز.

دعوتی تاریخ کی تدوین کے مطالبہ سے متعلق بعض منفی پہلو

دعوتی تاریخ کی تدوین کے مطالبہ سے متعلق بعض منفی پہلو!

لیکن موضوع کے اس روشن پہلو سے صرف نظر کچھ تلخ حقائق بھی ہیں جو اس دعویٰ میں چھپے ہوئے ہیں۔ ان پر سے پردہ اٹھانا بھی ضروری ہے۔

پہلا منفی پہلو:

پہلے یہ دیکھیں کہ ''دعوتی تاریخ'' کے مدون نہ ہونے کا یہ دعوی جن حضرات کی طرف سے کیا جاتا ہے ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو ''دعوت اِلی اللہ'' کا ایک خود ساختہ مفہوم رکھتے ہیں۔ ان کی اپنی سمجھ کے مطابق ''دعوت اِلی اللہ'' صرف غیر مسلموں میں کیے جانے والے کام کا نام ہے، مسلمانوں میں ہونے والے کام دعوت کا حصہ نہیں ہیں۔ ان کے مطابق غیر مسلموں سے متعلق دعوت کا کام بھی بڑا ہی محدود مفہوم رکھتا ہے۔ اس ذہن کے مطابق آدمی بنفس نفیس خود چل کر جائے اور غیر مسلم کو براہ راست مخاطب کرے، سڑکوں پر اترے، میلوں میں جائے، زندگی بھر محض غیر مسلموں تک اسلام پہونچانے اور سمجھانے میں لگا رہے تبھی وہ داعی ہے اور اسی کا کام ''دعوت اِلی اللہ'' ہے۔

اسی سوچ کے تناظر میں یہ دعوی ابھر کر سامنے آتا ہے کہ ایسے دعاۃ اور شخصیات کو تاریخ میں سے ڈھونڈ نکالا جائے جو اس طرز پر خود کو غیر مسلموں میں دعوت کے لیے وقف کر چکے تھے، کیوں کہ ان کی تاریخ مدون کرنا ہی دراصل ''دعوت اِلی اللہ'' کی تاریخ مدون کرنا ہے۔ کا یہ مفہوم اور دعوت سے متعلق یہ سوچ محض ایک نظریاتی معاملہ نہ ہو کر میدان کی ایک سچائی کی شکل اختیار کر چکی جس کے نتیجہ میں ''دعاۃ'' کے نام سے ایک گروہ اپنی شناخت قائم کیے ہوئے ہے اور اس گروہ میں شامل عالم دین، ڈاکٹر، انجینئر اور عامی سبھی قسم کے لوگ اپنی اپنی شناخت سے اوپر اٹھ کر خود کو محض ایک داعی کہتے اور کہلواتے ہیں۔

ظاہر بات ہے ایسی صورت میں ''دعوتی تاریخ'' کے لکھے جانے کا یہ معاملہ تاریخ کا نہیں رہ جاتا بلکہ مفہومِ دعوت کی تصحیح کا بن جاتا ہے۔ اس سوچ کا علاج یہ ہے کہ سب سے پہلے مفہومِ دعوت کو نصوصِ کتاب وسنت اور سلف صالحین کی تشریحات کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ ایک مرتبہ دعوت کا حقیقی اور صحیح مفہوم واضح ہو جائے گا تو پھر اس صحیح یا تصحیح شدہ مفہومِ دعوت کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کی ''دعوتی تاریخ'' بھی مدون ومحفوظ نظر آئے گی، آدمی ایک خود ساختہ نقطۂ نظر کی وجہ سے مفہومِ دعوت کا دائرہ تنگ کر لے اور پھر اسی مخصوص چشمہ کی مدد سے تاریخ کا مطالعہ کرے تو ظاہر ہے اسے تاریخ میں اپنا مقصود محدود ہی نظر آئے گا یا بسا اوقات نظر ہی نہیں آئے گا' ایسا شخص ایک مرتبہ اپنے مفہومِ دعوت کی اصلاح کر لے، نظر میں وسعت پیدا کر لے اور تاریخ کو پڑھے تو پھر اس تاریخ میں وہ سب کچھ نظر آئے گا جو وہ دیکھنا چاہتا ہے۔

دوسرا منفی پہلو:

اس دعوی کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ عصر حاضر میں غیر مسلموں میں ''دعوت وتبلیغ'' کے علم

بردار حضرات کچھ تو وہ ہیں جو کسی نظریاتی جدت کی بنا پر دعوت کے شرعی و اسلامی مفہوم پر قانع ہیں اور اسی کی روشنی میں میدان عمل میں مصروفِ کار ہیں، وہیں کچھ حضرات وہ ہیں جو دعوت کے عملی کام کو بھی پہلے ایک نئی نظریاتی بنیاد فراہم کرنا ضروری سمجھتے ہیں، یا جن کی نظر میں دعوتی میدان کی طرف دعوت ایک نظریاتی مرحلہ سے ہو کر ہی گزر سکتی ہے۔ ان کے مطابق عہد جدید کے تقاضوں کے پیش نظر اسلام کو ایک نیا بیانیہ دینا اور اسلام کو نئے زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے نام پر وجود میں آنے والے اس نئے بیانیہ کی تبلیغ کرنا ہی دراصل ''دعوت اِلی اللہ'' کا حقیقی کام ہے۔ اس طرح خود کو ایک مجدد کے درجہ میں اور اپنے متبعین کو ایک تجدیدی مشن سے جڑنے کے احساس میں ڈبونا ضروری سمجھتے ہیں، اس ذہن کے حاملین حضرات میدانِ عمل میں دعوتی سرگرمیوں سے زیادہ نظریاتی طور پر دعوت کے نام پر ایک نیا بیانیہ دینے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں، جس کے اعضائے ترکیبی میں بنیادی شرعی دعوت کے کچھ عناصر کے ساتھ فکری انفرادیت اور جدت پسندی جیسی کئی اور چیزیں بھی شامل ہیں، اور پھر یہ حضرات یا ان سے متاثرین جب دعوت کے اس مخصوص اور قدرے جدید تصور کو دل و دماغ میں بیٹھائے تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ خیال خام جنم لیتا ہے کہ **اسلام اور مسلمانوں کی سیاسی تاریخ تو مدون ہوئی لیکن ان کی ''دعوتی تاریخ'' لکھی جانی ابھی باقی ہے۔** جب دعوت کے نام پر جدت ہی معیار ٹھہرا تو پھر ہر قدیم چیز میں ''تبدیلی'' کا مطالبہ ایک طبعی امر بن جاتا ہے اور یہی ''دعوتی تاریخ'' کے اس مطالبہ کے معاملے میں بھی ہوا ہے۔

لہٰذا جب ''اسلام اور مسلمانوں کی دعوتی تاریخ'' کی بحث چھڑے تو ضروری یہ بھی ہے کہ تاریخ کا طالب علم یا مطالعہ کرنے والا شخص دعوت کے مفہوم کے تئیں صحیح نقطۂ نظر کا حامل ہو۔ وہ کسی بھی جدت پسندی کے جذبہ سے پاک ہو اور ایمان و عمل کے دیگر ابواب کی طرح ''دعوت اِلی اللہ'' کے باب میں بھی خالص اتباع کا جذبہ رکھتا ہو۔ ورنہ ایسا بھی ہوگا کہ قصور

اس کی نظر یا نظریہ کا ہوگا اور الزام تاریخ پر آئے گا، اور یہی ہمارے اس عنوان ''اسلام اور مسلمانوں کی دعوتی تاریخ'' سے متعلق بھی ہوا ہے۔

تیسرا منفی پہلو:

اس سلسلہ میں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دعوی دراصل ایک قسم کے قصورِ علم پر دلالت کرتا ہے اور بعض ان سہل پسند طبیعتوں کی ذہنیت کی ترجمانی کرتا اور ایسے ہی لوگوں کے درمیان پذیرائی بھی حاصل کرتا ہے جو چاہتے ہیں کہ ان کے مطلب کی چیز بنی بنائی کسی برتن میں سجا کر ان کے سامنے پیش کر دی جائے، جو خود علم وحکمت کے گہرے سمندر میں تیراکی کی قوت نہیں رکھتے اور الزام سمندر کی موجوں کو دیتے ہوئے اسے موتیوں سے خالی قرار دیتے ہیں۔ ایسے کم ہمت لوگوں ہی کا یہ موقف ہوسکتا ہے کہ ''دعوتی تاریخ'' کے نام سے خاص طور پر تاریخ نہ لکھی جائے تو سرے سے تاریخ دعوت کے وجود کا انکار کر دیا جائے یا یہ کہہ دیا جائے کہ اس جانب توجہ ہی نہیں دی گئی:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہء آفتاب را چہ گناہ

اس مزاج کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ ایسے سہل پسند یا کوتاہ بین حضرات صرف تاریخ کے سلسلے ہی میں نہیں بلکہ دیگر علوم وفنون کے متعلق بھی اس قسم کے نادر خیالات کے حامل ہوتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ہوتا یہ ہے کہ ایسے خیالات ایک مستقل فکر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں اسلامی علوم وفنون کے علمی ذخیرہ سے متعلق ایک مخصوص ذہن بنتا چلا جاتا ہے کہ یہ ذخیرہ ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کے باب میں ناقص ہے۔ پھر یہ نقطہء نظر بہت ساروں کو انوکھا اور اچھوتا لگتا ہے اور اس کی پذیرائی ہونے لگتی ہے۔ اس کے بعد ٹھوس علم

سے دوری یا دین کی حقیقی بنیادوں سے تعلق میں کمزوری اس نقطۂ نظر کو تقویت پہونچانے کا سبب بن جاتی ہے۔

لہٰذا یہ مطالبہ اگر اس ذہنیت کے حاملین کی جانب سے ہو رہا ہو تو اس کی تکمیل سے زیادہ اس بیمار ذہن کے علاج کی ضرورت ہے، اس لیے کہ بروقت اگر اس طرف توجہ نہ دی جائے تو پھر اس کے منفی نتائج بڑے دوررس ہوں گے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ اور مؤرخین کے سلسلے میں اس مخصوص طرز فکر کے حامل بعض حضرات نے دعوی کیا ہے کہ محدثین نے ''دعوت إلی اللہ'' کے لیے کچھ نہیں کیا۔ کیوں کہ کتاب الطھارۃ، کتاب الصلاۃ جیسے دین کے ہر اہم موضوع سے متعلق کتابیں اور باب قائم کرنے والے ان محدثین نے ''کتاب الدعوۃ'' کے نام سے کوئی باب قائم نہیں کیا؟ حد تو یہ ہے کہ بعض حضرات اسی شعور میں ڈوبے ''کتاب الدعوۃ'' لکھنے پر کمر بستہ نظر آئے۔ آج محدثین کے کام پر سوال اٹھانے والوں سے بعید نہیں کہ کل کوئی یہ دعوی بھی کرے کہ آج تک کسی مفسر نے دعوتی تفسیر نہیں لکھی یا کسی فقیہ نے ''دعوتی فقہ'' نہیں لکھی، وقس علی ھذا.

یہ سوچ بظاہر سہل پسندی کا شکار ہے یا قصور علم پر مبنی ہے مگر اس کوتاہ نظری کا تدارک نہ ہو تو یہی سوچ بتدریج تمام علوم وفنونِ اسلام میں اس کے ماہرین کی خدمات سے دور لے جائے گی، محدثین اور حدیث کے ذخیرہ سے دور لے جائے گی اور بالواسطہ انکار حدیث یا کم از کم ''استخفاف بالحدیث'' تک پہونچائے گی، تاریخ کے تئیں یہی سوچ اپنی سنہری تاریخ سے براءت کا مزاج پیدا کرے گی۔ اسی طرح تفسیر، فقہ اور مختلف فنون سے متعلق ایسے ہی نظریات رفتہ رفتہ ایک نئی فکر، نئے فرقہ اور نئے گروہ کو وجود میں لائیں گے۔

ذرا درج ذیل تبصرے ملاحظہ فرمائیں!

محدثین نے دعوت کے لیے کچھ نہیں کیا! (محدثین کے علمی ورثہ سے کٹے)

اسلام اور مسلمانوں کی ''دعوتی تاریخ''، نہیں لکھی گئی! (تاریخی سرمایہ سے کٹے)
ایک نئی ''دعوتی تفسیر'' کی ضرورت ہے! (تفاسیر کے عظیم علمی ذخیرے سے کٹے)
''اسلامی فقہ'' مسلمانوں کے عہد حکومت میں لکھی گئی۔ لہٰذا اس کے بہت سارے احکام کی تعیین اور تشریح کے دوران فقہاء کا ذہن داعیانہ نہیں حاکمانہ تھا! (فقہ کے عظیم سرمایہ سے کٹے)
اسلامی عقائد کی تشریح وتوضیح محض سنت اور بدعت کے تناظر میں کی گئی یا علمِ کلام کے مناظرانہ اسلوب میں دفاعی ذہن کے ساتھ کی گئی۔ اب دعوتی ذہن سے ازسرنو ان کی شرح کرنے کی ضرورت ہے۔ (اسلامی عقائد کے سلفی ذخیرے سے کٹے)
اندازہ بھی ہے کہ یہ سفر کس منزل پر جا کر رکے گا؟؟؟ یقین کریں انجام کار وہ گروہ جنم لے گا جو ہر مفسر، محدث، فقیہ، مؤرخ اور عالم دین کے سلسلے میں یہی کہے گا: لیس من أھلہ۔ ''ان سب کو چھوڑو کہ یہ داعی نہیں تھے''!!!
لہٰذا ''اسلام اور مسلمانوں کی دعوتی تاریخ'' کے موضوع پر بات ہو تو یہ بھی یاد رکھا جائے کہ دین اسلام مکمل بھی ہے اور محفوظ بھی۔ اس تناظر میں ہر علم وفن کا وہ حصہ جو ''دعوت إلی اللہ'' کی ''ضرورت'' ہے حفاظت اسلام کی بشارت بھی اس میں شامل ہے، اور تاریخ کا وہ حصہ بھی اللہ کے فضل وکرم سے محفوظ ہے جو دعوت کی ضرورت ہے، جس میں سرفہرست احادیث میں مذکور دعوتی واقعات ہیں اور پھر سیرتِ رسول اور تاریخِ اسلام کے مستند حوالے۔

چوتھا منفی پہلو:

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ ایک بہت بڑی سچائی اور ہے، جس کے ادراک کے بغیر اس دعوی کی حقیقت پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آسکتی، اور وہ سچائی یہ ہے کہ بسا اوقات اس دعوی کے پیچھے اکثر وہ ذہن کارفرما ہوتا ہے جو کہیں نہ کہیں شکست خوردہ یا دفاعی ہے۔ اس

مرعوب ذہن کی سوچ عام روش سے جداگانہ ہوتی ہے۔ مشرق کے سنگھی اور مغرب کے استشراقی پروپیگنڈے سے مرعوب اس ذہن کی مانیں تو اسلامی تاریخ اسلام کی کم حکمرانوں کی تاریخ زیادہ ہے بالخصوص ''دعوتی تاریخ'' سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس ذہن کی بنیادی فکر یہ ہے کہ جہاد اور دعوت ایک سکہ کے دو رخ ہونے کی بجائے وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جہاد کا تعلق ریاست وسیاست سے ہے اور دعوت کا تعلق بندوں کی نجات سے۔ لہٰذا جب ''دعوتی تاریخ'' کہا جائے تو اسے جہاد اور فتوحات سے بالکل الگ تاریخ ہونا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں دعوت کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ اس میں جہاد بھی شامل ہے۔ جہاد اپنے اہداف ومقاصد اور اثرات وثمرات کے اعتبار سے عین دعوت ہے۔ اسلامی جہاد صرف ملک گیری کا نام نہیں، یہ دراصل اللہ کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہونچانے کا زیادہ مؤثر اور تیز رفتار طریقہ ہے جس کا بین ثبوت پیارے نبی ﷺ کی مدنی زندگی اور بعد میں خلفائے راشدین وغیرہ کے دور کی فتوحات اور مہمیں ہیں۔ دعوت وجہاد کے اس باہم ربط کو سمجھے بنا دعوتی پس منظر میں جہاد سے متعلق ہمارا لب ولہجہ ہمیشہ معذرت خواہانہ ہی رہے گا اور ہوسکتا ہے کبھی جہاد کے تئیں معاندانہ رویہ بھی اپنا لیا جائے۔ مذکورہ دفاعی ذہن دراصل اسی کیفیت سے دوچار رہتا ہے اور ''دعوتی تاریخ'' کی تدوین کا مطالبہ بھی اکثر اسی ذہن کی پیداوار ہے۔

جہاد کے دعوتی کردار کو سمجھنا چاہیں تو یہ صاف طور پر دکھائی دیتا ہے کہ جہاد کے ذریعہ ایک طرف اسلامی دعوت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ختم کیا جاتا رہا ہے تو دوسری طرف اس جہاد کے ذریعہ قائم ہونے والی اسلامی حکومت کے زیر سایہ بحیثیت ذمی یا خراج دینے والی غیر مسلم عوام اور بطور معاہد اسلامی مملکت کا دورہ کرنے والے غیر مسلم اسلام کے خیر وبرکات کے عملی نمونوں کو دیکھنے، پرکھنے اور انھیں سمجھنے کا بہتر موقعہ پاتے ہیں۔

اسلامی شریعت جب معاشرہ میں نافذ ہو اور اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ بن کر پورا معاشرہ جب ''وقال إنني من المسلمين'' کا آئینہ دار بنتا ہے تو پھر یہ اسلام کی عملی دعوت بن جاتا ہے۔ دعوتِ گفتار سے کردار تک کا سفر طے کر لیتی ہے، وہ محض ایک دعوت یا پیغام سے آگے بڑھ کر سماج کی مانی ہوئی ایک سچائی اور ایک حقیقت کے طور پر خود کو منوا لیتی ہے۔ اسلام کی دعوت جب تک ایک مبلغ کی آواز ہوتی ہے بہت سارے لوگوں کی نظر میں اس کی حیثیت محض ایک دعوت یا نظریہ کی ہوتی ہے، جو کتنی ہی پرکشش کیوں نہ ہو مگر ایک طرف وہ معاشرہ کے بہت سارے افراد تک پوری قوت کے ساتھ نہیں پہونچ پاتی ہے تو دوسری طرف سماج کی سدھار اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں اپنے منصوبوں کا پوری قوت کے ساتھ مظاہرہ نہیں کر پاتی، لیکن یہی دعوت جب اس جہاد کے ذریعہ سماج میں غالب رکاوٹ بننے والی قوتوں کو شکست دیتی ہے اور جہاں ممکن ہو وہاں حکومت کی راہ سے نافذ ہو جاتی ہے تو اسلام کی عملی تصویر لوگوں کے سامنے آجاتی ہے، اس کی آواز ہر فرد بشر تک آسانی سے پہونچتی ہے، ہر کوئی اسے دیکھ سکتا ہے اور اس کے مثبت اثرات کو ہر پل محسوس کر سکتا ہے، اور اس طرح اسلام کے پیغام اور دعوت کی قوت کے ساتھ اس کی تاثیر بھی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

میدان عمل کی یہ بھی ایک سچائی ہے کہ بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سماج کا رخ دیکھ کر کسی بھی دعوت کو قبول یا رد کرنے کا مزاج رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دعوت کا جہاد کے راستہ سے گزر کر زمین پر قدم جما لینا ضروری ہوتا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ خود گواہ ہے کہ مدنی زندگی کے ابتدائی سالوں ہی میں پورے جزیرۃ العرب میں نبی ﷺ کا پیغام عام ہونے لگا تھا، ایران و روم کے درباروں تک دعوت پہونچائی جا چکی تھی مگر عرب قبائل کی ایک بڑی تعداد ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی پر کاربند رہی۔ ۸ھ میں جزیرۂ عرب میں داخلی سطح پر فتح مکہ اور پھر خارجی سطح پر غزوۂ تبوک کے بعد عرب کے مختلف قبائل نے (جن کی

تعداد بعض محققین کے مطابق ستر (۷۰) سے زیادہ تھی) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر اسلام قبول کیا حتی کہ ۹ھ کو ’’عام الوفوذ‘‘ کا نام دیا گیا۔

جہاد کے دعوتی کردار کے سلسلے میں یہ بھی ایک سچائی ہے کہ مفتوح قومیں فاتح قوم کی دعوت کو بآسانی اپنا لیتی ہیں، اور ساتھ ہی سماج میں بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی بھی دعوت یا نظریہ کو اسی وقت سنجیدگی سے لیتے ہیں جب وہ ایک غالب طاقت کی حیثیت سے ان کے سامنے اپنا لوہا منوا لے۔ دعوت جب جہاد کے راستہ سے اپنے انجام کو پہونچتی ہے تب وہ ایسے سارے لوگوں کے لیے ایک مؤثر دعوت کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ تبلیغ اسلام یا کسی بھی خطہ کی اکثریت تک اسلام کی دعوت اور ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد وہاں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جہاد کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ تاریخ اسلام کی پہلی ریاست مدینہ طیبہ میں بغیر کسی جہاد کے قائم ہوئی تھی۔ بالکل اسی طرح انڈونیشیا اور ملیشیا جیسے ملکوں میں جہاں آج بھی مسلم اکثریت رہتی ہے اسلام براہ راست جہاد کے ذریعہ سے نہیں پہونچا تھا۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں اسلام کے داخلہ کی تاریخ جنوب میں کیرلا کے تاجروں سے شروع ہوتی ہے لیکن یہاں اسلام کی آمد شمال مغربی ہند میں محمد بن قاسم کی آمد سے تقریباً آٹھ دہائی قبل بغیر جہاد کے ہوئی۔ وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے دیگر خطوں میں بلکہ دنیا کے اکثر حصے میں اسلام کی دعوت اسی جہاد اور حکومت کے ذریعہ پہونچی۔ قیصر و کسریٰ کے روم و ایران میں ہو کہ ہندوستان کے شمال مغربی خطہ میں محمد بن قاسم کے ذریعے قائم ہونے والی اسلامی سلطنت یہ سب اسی جہاد کے راستہ ہی قائم ہوئی اور یہی جہاد ان علاقوں میں دعوت دین کا ذریعہ بنا۔

جہاد کو دعوت سے جدا کرنے والا تصور جس کے نتیجہ میں یہ خیال جنم لیتا ہے کہ تاریخ

اسلام ''دعوتی تاریخ'' نہیں ہے دراصل ایک غلط فکر کا ردعمل ہے۔ بیسویں صدی ہجری میں اقامتِ دین کے نام پر اٹھنے والی عالم اسلام کی مختلف تنظیموں کا یہ نظریہ تھا کہ اقامت دین دراصل حکومت الہیہ یا اسلامی حکومت کا قیام ہے، اور اس کا راستہ دعوت سے شروع ہوکر جہاد پر ختم ہوتا ہے۔ اس نظریہ نے اسلام کی جس تعبیر کو جنم دیا وہ خود ایک طول طویل موضوع ہے، لیکن ہوا یہ کہ اقامت دین کے اس تصور میں بعض حضرات کو دیگر مفاسد کے ساتھ ساتھ کہیں نہ کہیں مستشرقین کے اس دعوے کی تائید بھی نظر آئی کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ لہٰذا اقامت دین کے نام پر اس افراط کے ردعمل میں وہ تفریط کی راہ پر چل پڑے اور جہاد کو دعوت سے ہی جدا قرار دے دیا، تاکہ بات حکومت کے قیام اور طاقت کے استعمال کے الزام تک نہ پہونچ پائے۔ اس طرح یہ نظریہ وجود میں آیا کہ جہاد کا تعلق محض ریاست وسیاست سے ہے اور دعوت کا تعلق بندوں کی نجات سے۔ (اسلام کی خالص سیاسی تعبیر اور اس کے بالمقابل اسلام کی غیر سیاسی تعبیر دو متضاد قسم کے نظریات ہیں۔ یہ افراط وتفریط کا مظہر ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے اثرات ہیں اور ان دونوں کے وجود میں مغربی مفکرین کے لٹریچر کا بڑا اہم کردار ہے۔۔۔ اس موضوع کے ایسے بہت سے پہلو ہیں جن پر مفصل گفتگو کی ضرورت ہے، جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے)

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے مقاصد اور اسلامی حکومت کے قیام کی شرعی حیثیت اور دین میں اس کے درجہ کی تعیین کے باب میں لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو جہاد ہی نہیں بلکہ دعوت کا مقصد بھی محض اسلامی حکومت کا قیام مانتے ہیں، جب کہ دعوت کا مقصد بندوں کو ان کا مقصدِ وجود یاد دلانا اور انہیں اللہ کی بندگی کی دعوت دینا ہے، اور جہاد کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے، اور یہ مقصد کئی بار اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے ہی حاصل ہوجاتا ہے، اور کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہاد کے ذریعہ اسلامی حکومت قائم ہوجاتی ہے مگر

دعوت کا سفر جاری رہتا ہے۔ حکومت کے قیام کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دعوت اپنی منزل مقصود کو پہونچ گئی بلکہ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جہاد نے دعوت کی راہ میں حائل ایک رکاوٹ کا خاتمہ کیا۔ دعوت کا تعلق محض کسی مخصوص نظام کے نفاذ تک محدود نہیں اور نہ ہی دعوت کی تکمیل حکومت کے قیام سے مشروط ہے۔ حکومت کا قیام اس دعوت کی پہلی یا آخری منزل نہیں ہے۔ حکومت دعوت کی راہ کا ایک سنگ میل ہوسکتی ہے، منزل مقصود نہیں۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اسلام کو محض ایک نظریاتی دعوت کے طور پر متعارف کرانا چاہتے ہیں، جو اپنی دعوت میں صرف ایک مؤثر آواز کے طور پر دنیا کے سامنے حجت قائم کرتے رہے، اور اس سے آگے نہ بڑھے۔ ان کی نظر میں دعوت کا مقصود صرف فرد ہے جو اپنی شخصی زندگی میں انفرادی سطح پر دعوت کا مخاطب ہے۔ اس سے آگے کے معاملات دعوت کا حصہ نہیں ہیں، اور نہ اس کے مقاصد میں داخل ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے جمہوریت میں مذہب خدا اور بندہ کا باہم رشتہ ہے۔ لہٰذا جہاد دعوت کی بجائے سیاست کا راستہ ہے اور اس طرح دعوت و جہاد دو مختلف احکام ہیں جن کے مقاصد بھی جدا ہیں۔

اس افراط وتفریط کے درمیان اسلام کی طے کردہ شاہراہ ہے، جس میں جہاد ہے مگر وہ جو دعوت کا دوسرا رخ ہے، جس کے مطابق دعوت و جہاد ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اسلام کے سکہ کے یہ دو رخ ہیں۔

پیارے نبی ﷺ کی یہ حدیث دعوت و جہاد کے اس باہم ربط کو سمجھنے کی راہ میں بڑی اہم ہے:

عجب الله من قوم يدخلون الجنة في السلاسل.

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو جنت میں بیڑیاں پہنے ہوئے داخل ہوں گے''۔ (بخاری: ۳۰۱۰)

وفي رواية يقادون إلى الجنة بالسلاسل.

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں: جنہیں بیڑیاں پہنا کر جنت کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ (أبوداود: ۲۶۷۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح ''سورۂ آل عمران'' کی اس مشہور آیت {كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ} کی روشنی میں کی ہے جو ''دعوت إلی اللہ'' کے موضوع کی بنیادی آیتوں میں سے ایک ہے اور لکھا ہے کہ یہ آیت اور مذکورہ حدیث ہم معنی ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''والتقدير يدخلون الجنة وكانوا قبل أن يسلموا في السلاسل وسيأتي في تفسير ال عمران من وجه اخر عن أبي هريرة في قوله كنتم خير أمة أخرجت للناس قال خير الناس للناس يأتون بهم في السلاسل في أعناقهم حتى يدخلوا في الإسلام. قال ابن الجوزي: معناه أنهم أسروا و قيدوا فلما عرفوا صحة الإسلام دخلوا طوعا فدخلوا الجنة فكان الإكراه على الأسر والتقييد هو السبب الأول و كأنه أطلق على الإكراه التسلسل ولما كان هو السبب في دخول الجنة أقام المسبب مقام السبب''.

(فتح الباري: ۶/ ۱۴۵)

مذکورہ بالا حدیث اور آیت کے باہم ربط سے جو بات صاف طور پر کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسی جہاد کے ذریعہ سے بہت ساروں کو اسلام میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ پہلے قیدی بنائے جاتے ہیں تو ان کے ہاتھ پیر میں بیڑیاں ہوتی ہیں۔ پھر جب وہ اسلامی معاشرہ میں رہتے بستے ہوئے اسلام سے متاثر ہوجاتے ہیں اور اس کو دل وجان سے اپنا لیتے

ہیں تو یہی قیدان کے لیے ہدایت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس طرح گویا وہ بیڑیوں میں جنت کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جنگ خیبر کا موقع ہے، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نبی ﷺ نے جھنڈا دیا ہے اور حضرت علی پوچھ رہے ہیں: اے اللہ کے رسول! میں ان سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ ہماری طرح نہ ہوجائیں؟ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

انفذ على رسلك حتى تنزل بساحتهم ثم ادعهم إلى الإسلام وأخبرهم بما يجب عليهم من حق الله فيه. فوالله لأن يهدي الله بك رجلا واحدا خير لك من أن يكون لك حمر النعم.

''اپنی مہم پر نکل جاؤ یہاں تک کہ ان کے آنگن میں جارکو! پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ ان پر اللہ تعالی کا کیا حق واجب ہے۔ قسم ہے اللہ کی! تمہارے ذریعہ اللہ تعالی کسی ایک انسان کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں کی دولت سے بہتر ہے۔'' (متفق علیہ)

مذکورہ حدیث جہاد اور دعوت کے باہمی رشتہ اور جہاد کے بنیادی مقصد کی تعیین کے سلسلہ میں بڑی واضح تعلیم اپنے اندر رکھتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''جہادِ اسلامی کا دعوتی پہلو'' ایک ایسا موضوع ہے جس پر عصر حاضر میں تاریخی مثالوں اور شواہد کی روشنی میں مفصل لکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ جہاد اسلامی سے متعلق غیروں کے پروپیگنڈے کا مؤثر توڑ ہو اور اپنوں کا تذبذب بھی ختم ہو، تاکہ اپنی تاریخ پر ہمارا اعتماد بحال ہو اور اس طرح ہمارے قدموں تلے ہماری زمین بھی مضبوط ہو۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ شریعت اسلامیہ کی اہم تعلیم جہاد سے

متعلق معذرت خواہانہ رویہ جب کسی ذہن پر چھا جائے تو اس کے ردعمل میں جو باتیں جنم لیتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ پوری تاریخ جہادی یعنی غیر دعوتی نظر آتی ہے۔ جہاد جب دعوت نہیں تو پھر دعوت کی تلاش ہوتی ہے اور جہاد سے جدا تاریخ دعوت کی تدوین کا مطالبہ سامنے آتا ہے۔

پانچواں منفی پہلو:

اس سلسلہ کی ایک بڑی ہی اہم اور بنیادی بات یا حقیقت یہ بھی ہے کہ بہت سارے لوگوں کے اندر یہ دفاعی ذہن یا معذرت خواہانہ لب ولہجہ یا جہاد کے تئیں لاتعلقی کا اظہار دراصل مغرب کے اس پروپیگنڈے کے ردعمل میں پیدا ہوتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ مغرب کا یہ پروپیگنڈا کہ (اسلام تلوار کے زور پر پھیلا) ایک انتہائی خطرناک قسم کا ہتھ کنڈا تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا گیا۔ ہوا یہ کہ اکثر لوگوں نے اس دعویٰ کے صرف ایک پہلو اور ایک ہی رخ کو دیکھا کہ مستشرقین اس طرح اسلام اور مسلمانوں سے دنیا کو بدگمان اور متنفر کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ان لوگوں نے صرف اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا اور اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام کی امن وامان پر مبنی تعلیمات کو عام کرنے کی طرف توجہ دی، اسلام کو امن وسلامتی کا پیامبر ثابت کرنے کی خاطر جہاد اور مسلم حکمرانوں کے تئیں تنقیدی رویہ اپنایا، جہاد کا انکار نہیں کیا تو کما حقہ اقرار بھی نہیں کیا، اور سوچا کہ اس طرح اسلام کا دفاع کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے، حالانکہ مستشرقین کا یہ دعویٰ ایک دوسرا پہلو بھی رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے تلوار کے زور پر نہیں پھیلنے کا مطلب یہ مان لیا گیا کہ تلوار کا اسلام سے کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔ اسلام کے دفاع کے نام پر لوگ غیر شعوری طور پر جہاد سے دستبردار ہوگئے۔ یہ دعوی کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا دراصل ایک دودھاری تلوار

ہے اس کو جوں کا توں تسلیم کرنا بھی غلط ہے، اور اسے دوٹوک رد کر دینا بھی ردعمل میں غلو کی راہ اختیار کرنا ہے اور غیر محسوس طریقہ سے ان مستشرقین کے دوسرے مقصد کی تکمیل کرنا ہے۔ اس دعوی کا یہی دوہرا کمال ہے جس کی وجہ سے مخالفین اسلام ہزار بار منہ کی کھانے کے بعد بھی ہر چند دن بعد نئے لبادے میں اس کا ہوّا کھڑا کرنے اور اسے عام کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ جدید دور میں دہشت گردی کا لیبل بھی دراصل اسی پروپیگنڈے کی بدلی ہوئی شکل ہے، اور ہوسکتا ہے مستقبل میں یہ دعوی کوئی اور لبادہ اوڑھ لے۔

اسے جوں کا توں تسلیم نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ اسلام کی اس بنیادی تعلیم کے خلاف ہے {لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ} ''دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں۔'' (البقرۃ :۲۵۶) لہٰذا تاریخ اسلام میں زور زبردستی کبھی کسی کو مسلمان نہیں بنایا گیا۔ اسلام میں ذمیوں کے مفصل احکام خود اس پر شاہد عدل ہیں کہ اگر زبردستی اسلام قبول کرانا اسلام کی پالیسی ہوتی تو مختلف ادیان کے ماننے والوں کو اسلامی سلطنت میں باقی رکھنے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے کے آداب واحکام کبھی شریعت اسلامیہ کا حصہ نہ ہوتے۔ دوسری طرف اسلامی تاریخ بھی اس دعوی کی تردید کر دے گی، تاریخ کی یہ گواہی ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی ملک کے لوگوں کو تلوار کے زور پر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ خود ہمارا ملک ہندوستان اس بات کا ثبوت ہے جہاں مسلمان تقریبا آٹھ سو سال تک حکمران رہے، یہاں وہ سیاہ وسپید کے مالک رہے، اس دوران آج کی جدید دنیا کی طرح نہ کوئی حقوق کی دہائی دینے والی تنظیمیں تھیں، نہ برائے نام ہی سہی کوئی محاسبہ کرنے والا یا واویلا مچانے والا میڈیا، اور نہ ہیومن رائٹس کے بین الاقوامی ادارے جن کے ڈر سے ایسے کسی اقدام سے باز رہ جانے کی امید کی جاسکتی تھی مگر اس کے باوجود یہاں کی اکثریت غیر مسلم ہی رہی۔

اسلامی شریعت کی روشنی میں مسلمانوں نے اپنی جہادی تاریخ میں سوائے ''جزیرۃ

العرب‘‘ کے پورے خطہ ارض میں فریق مقابل کے سامنے ہمیشہ تین اختیارات رکھے:

(۱) دین اسلام قبول کرلیں۔

(۲) اپنے دین پر قائم رہیں اور حکومت بھی باقی رکھیں، مگر جزیہ دیں۔

(۳) اگر جزیہ بھی نہیں دے سکتے تو مقابلہ کریں۔

البتہ جزیرۃ العرب چونکہ معقل اسلام ہے، وہ اسلام کا اصلی گھر اور گڑھ ہے، اسی لیے وہاں کے افراد کے لیے اختیار قدرے مختلف تھا اور وہ یہ کہ

(۱) اسلام قبول کریں۔

(۲) یا مقابلہ کریں۔ جیتنے کی صورت میں وہ باقی رہیں گے، ورنہ انہیں علاقہ چھوڑنا پڑے گا۔

یہی بات نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہے جو درج ذیل احادیث میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا ألا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكوة فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دمائهم وأموالهم إلا بحق الإسلام.

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک کہ وہ لا إلہ إلا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ اگر یہ سب کیا تو انہوں نے اپنی جان و مال کو بچالیا الا یہ کہ اسلام کا حق ہو۔‘‘ (متفق علیہ)

مزید فرمایا:

أخرجوا المشركين من جزيرة العرب.

''مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔'' (متفق علیہ)

جہاد اسلامی سے متعلق مذکورہ بالا احکام' تفصیلات اور ان کے مضمرات یا ان سے متعلق استفسارات ہوں تو اس پر گفتگو کی گنجایش ہے، تاہم مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ جان کی امان پانے کے لیے کسی کو اسلام قبول کرنے پر کبھی مجبور نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ اسلام کسی استبداد کا نام نہیں بلکہ برضا و رغبت دل و جان سے اللہ کی عبادت کو تسلیم کرنے اور اس پر کاربند رہنے کا نام ہے۔

دوسری طرف اس دعوی کی دوٹوک تردید دراصل جہاد اسلامی اور اس کی خیر و برکات سے دستبردار ہونے کی طرف غیر شعوری قدم ہے۔ مغرب کو ہمیشہ جہاد اسلامی سے پریشانی رہی ہے اور وہ اس کی شکل کو بگاڑ کر پیش کرنے کی ہر دور میں کوشش کرتے رہے ہیں تاکہ مسلمان، اسلام کی نیک نامی کے نام پر اس عظیم تعلیم (جہاد اسلامی) سے دستبردار ہو جائیں جو تاریخ کی گواہی کے مطابق باطل ادیان کے قلع قمع کا ایک سنہرا باب اپنے ساتھ رکھتی ہے۔

مقصود یہ بتانا ہے کہ ''جہادِ اسلامی'' سے دعوت کی جو راہیں کھلیں اور اسلام جس تیزی سے دنیا کے کونے کونے تک پہونچا اسی پر روک لگانے کے لیے مستشرقین نے جہاد کی شکل بگاڑ کر یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا' تاکہ مسلمان اسلام کے دفاع کے نام پر خود اپنی اس عظیم پیش رفت پر روک لگانے والے بن جائیں۔ افسوس اسی کا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہے۔ مسلمانوں میں سے کئی ایک نے اس جھوٹے اور بودے دعویٰ کی تردید کرتے کرتے بالآخر جہاد ہی کے سلسلہ میں یہ طے کر لیا کہ اس کا دعوت سے کوئی رشتہ نہیں، اور ان کا لب ولہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا۔ اس طرح جس حقیقت کو مستشرقین نے بڑی گہرائی کے ساتھ پہچان لیا ہمارے بعض مفکرین اپنی روشن دماغی کے باوجود اس حقیقت کو پا نہ سکے۔

خلاصہ

اس ساری تفصیل کا مقصد دراصل یہ بات واضح کرنا ہے کہ لوگوں نے پہلے پہل یا تو دعوت کے خود ساختہ اور محدود مفہوم کی وجہ سے یا پھر مستشرقین کے غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے یا پھر اپنی کم علمی اور کج فہمی کی وجہ سے جہاد کو دعوت سے جدا کر دیا، اور جب یہ جدائی ہوگئی تو بالکل ایک نئی دریافت کی شکل میں یہ دعوی پیش کر دیا کہ امت کی ''دعوتی تاریخ'' ابھی لکھی جانی باقی ہے۔

یہ معاملہ یہیں تک محدود بھی نہ رہا بلکہ آگے بڑھ کر مسلم حکمرانوں کے تئیں ایک قسم کی نفرت اور ناپسندیدگی کی شکل اختیار کر گیا۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف اسلامی فتوحات کی تاریخ انہیں دعوتی نہیں لگتی، تو دوسری طرف ایسے لوگ تاریخ اسلام کے اپنے حکمرانوں سے بدظن ہیں، انہیں محض تخت وتاج کا طلب گار سمجھتے ہیں، اور یہ مانتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا کوئی جذبہ ان حکمرانوں کے اندر سرے سے ناپید تھا۔ اس طرح ہوا یہ کہ ہم نے بھی اکثر اپنے حکمرانوں کو صرف ''سنگھی نظر'' یا ''استشراقی نظریہ'' کے چشمے ہی سے دیکھا ہے۔ تاریخ کا سچ یہ ہے کہ یہ حکمران جیسے بھی تھے ان میں سے بہت سارے اپنے اندر کم یا زیادہ دین کی نشر واشاعت کا جذبہ بھی رکھتے تھے اور ان میں سے بعض تو آج کے بہت سارے حکمران اور دعاۃ سے کئی گنا بہتر بھی تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امت کی ''دعوتی تاریخ'' مدون کرنے کا یہ مطالبہ اپنے اندر کئی پہلو لیے ہوئے ہے۔ اگر کسی شکست خوردہ یا فریفتہ ذہن کے ساتھ یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ اسلام اور

مسلمانوں کی ''دعوتی تاریخ'' مرتب ہونی چاہیے تو یہ دعوی ایک ضرورت کو نہیں اجاگر کر رہا ہے بلکہ ایک خطرہ کا پیش خیمہ یا اس کا مظہر ہے، جس کا تدارک بر وقت نہیں کیا گیا تو مسلمانوں سے بہت کچھ چھین لے گا۔ اور اگر اسے محض عصر حاضر میں مختلف علوم وفنون میں جاری تحقیق وتہذیب کے تناظر میں دیکھا جائے تو کرنے کا ایک اہم کام ہے۔ ایک انصاف پسند قاری کی حیثیت سے ہمیں ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے اور پھر جو صحیح ہے اسے اپنانا چاہیے، اور جس میں خلل ہے اس کو ترک کر دینا چاہیے۔

ہماری مطبوعات

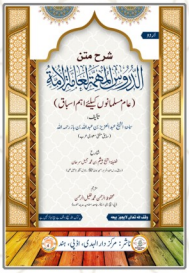

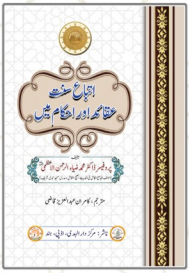

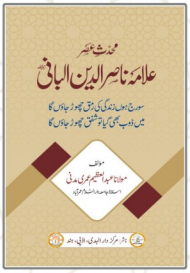

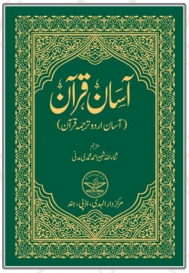

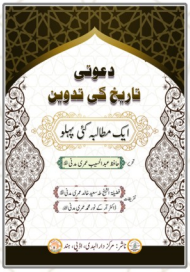

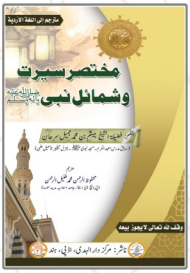

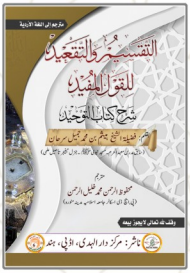

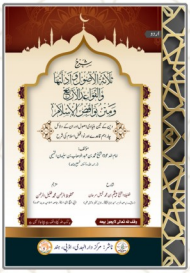

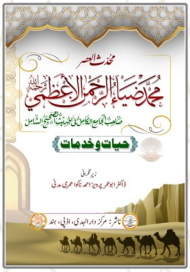

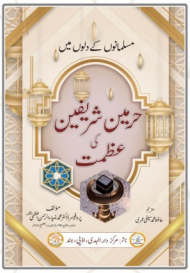

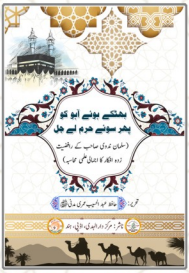

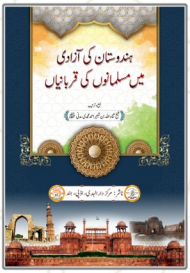

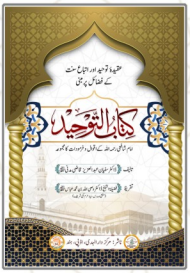

یہ کتاب اللہ کیلئے وقف ہے اسکا بیچنا جائز نہیں ہے

وقف لله تعالى لا يجوز بيعه

مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST®

#1, First Floor, Himalay Pearl,
Udupi - Manipal Road, Kadiyali, Udupi,
Karnataka - India, Pin: 576102

DAR-UL-HUDA UDUPI

Cell: +91 7337814400 - +91 9945565905
WhatsApp: +966 507472706
Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Web: www.darulhudaudupi.org

@ DAR-UL-HUDA, UDUPI